قسط نمبر ۲ (آخری)

حافظ عبدالغفور جہلمیؒ

تحریر: نامور مؤرخ مولانا محمد اسحاق بھٹی ۔ لاہور

مولانا محمد اسحق بھٹی جماعت کے نامور مؤرخ، ادیب اور بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں۔ مولانا موصوف نے اپنی زیر طبع تصنیف ''دبستان حدیث'' میں حضرت مولانا حافظ عبدالغفورؒ کا تذکرہ بھی تفصیل سے جن شاندار الفاظ میں کیا ہے اسے مولانا موصوف کے شکریہ کے ساتھ ''حرمین'' کے قارئین کی نذر کیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

حاکم شارجہ کا تعاون: جو شخص اللہ کی رضا کیلئے اللہ کے دین کی نشر واشاعت پر کمر بستہ ہو جاتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے اور ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ لوگ خود بخود اس کی طرف دست تعاون بڑھانے لگتے ہیں۔ حافظ عبدالغفور ایک مدرس اور خطیب کی حیثیت سے جہلم گئے تھے۔ جہلم اور اس کے قرب وجوار میں کوئی ان کا رشتے دار نہ تھا۔ وہاں ان کا اپنا گھر تھا نہ کوئی زمین جائیداد تھی۔ نہ اس علاقے کی کسی مال دار شخص سے ان کے تعلقات تھے۔ لیکن چونکہ ان کے دل میں نیک مقاصد پرورش پا رہے تھے اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے دین کی خدمت کا جذبہ ان کے ذہن میں موجزن تھا، اس لیے انھیں ایسے ذرائع سے تعاون کی پیش کشیں ہوئیں، جن کا کچھ عرصہ پیشتر انھیں تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ انھیں شارجہ کے حکمران الشیخ ڈاکٹر سلطان بن محمد القاسمی سے ملاقات کا موقع ملا تو دورانِ گفتگو ان سے اپنے تدریسی منصوبے کا ذکر کیا۔ یوں سمجھئے کہ اس حکمران کے سلفی الذہن پر یہ ایک دستک تھی، جس نے ان کو فوراً اس منصوبے کی تکمیل پر آمادہ کیا اور انھوں نے اس منصوبے پر اخراجات کا تخمینہ لگانے کیلئے کہا۔ دو ایکڑ زمین پر دارالعلوم، دار الاقامہ، مہمان خانہ، لائبریری اور مسجد وغیرہ کا نقشہ بنایا گیا تو اندازہ ہوا کہ اس پر اڑھائی کروڑ پاکستانی روپے خرچ ہوں گے۔ حاکم موصوف نے منصوبہ مکمل کرنے کی حامی بھر لی۔ تعمیر کے دوران میں کئی نشیب وفراز آئے۔ بیسمنٹ (تہہ خانہ) اور اس کے اوپر تین منزلہ پوری بلڈنگ کا ڈھانچہ ان کی زندگی میں ہی تعمیر ہو گیا تھا۔ عمارت کا بقایا کام بعد میں مکمل ہوا۔

جامعہ کی عمارات ایک نظر میں: حاکم شارجہ الشیخ ڈاکٹر سلطان بن محمد القاسمی کے تعاون سے جہلم شہر کے وسط میں دین الٰہی کی تدریس وتعلیم کیلئے جو دو ایکڑ قطعہ اراضی پر جو عظیم منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچا، اب ان پر ایک نظر ڈالیے۔ جدید کنکریٹ کی یہ ایک خوب صورت عمارت ہے۔

۱۔ نہایت شان دار بہت بڑی جامع مسجد سلطان، جس کا گول ہال 66 مربع فٹ سولہ صفوں پر اور صحن اور برآمدہ بیس صفوں پر مشتمل ہے جس کی لمبائی 110 فٹ ہے۔

۲۔ جامعہ علوم اُثریہ کا دارالتدریس چودہ کمروں پر مشتمل ہے۔

۳۔ اساتذہ کیلئے خوب صورت فیملی کوارٹرز تعمیر کیے گئے ہیں۔

۴۔ تین منزلہ عمارت ۵۴ کمروں پر محیط ہے۔اس ساری عمارت کے نیچے بیسمنٹ (تہہ خانہ) اس کے علاوہ ہے۔جس میں اُثریہ مڈل سکول قائم کیا گیا ہے۔

۵۔ دارالاقامہ میں تین سو طلبا کے قیام کا انتظام ہے۔

۶۔ مختلف دفاتر کیلئے پانچ کمرے تعمیر کیے گئے ہیں۔

۷۔ لائبریری کیلئے وسیع ہال تعمیر کیا گیا ہے۔

۸۔ خوب صورت مہمان خانہ بنایا گیا ہے، جس میں تمام ضروریات کا خیال رکھا گیا ہے۔

جامعہ علوم اُثریہ کے مختلف شعبے: جامعہ علوم اُثریہ طلبا کی تعلیم کا مرکز ہے لیکن اس کے مختلف شعبے بھی قائم کیے گئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں: طلباء کی دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ حافظ عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کو خواتین کی دینی و مذہبی تعلیم سے بے حد دلچسپی تھی۔اسی لئے ہر دور میں خواتین کیلئے ترجمہ وتفسیر (قرآن کریم) اور حدیث پاک کی تعلیم کیلئے کوشاں رہے۔جہلم شہر کی بہت سی خواتین نے قرآن وحدیث کی تعلیم میں حافظ صاحب سے استفادہ کیا۔ ان کی ان ہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج جامعہ اُثریہ للبنات میں ملک کے چاروں صوبوں سے سینکڑوں طالبات تعلیم حاصل کر کے اپنے اپنے علاقوں میں تعلیمی میدان میں مصروف عمل ہیں۔اس کے علاوہ شہر بھر میں خواتین کیلئے مختلف شعبوں میں قرآن فہمی کورسز کروائے جاتے ہیں، خواتین کے اسی ادارے کے تحت اُثریہ مڈل سکول میں بھی انگلش میڈیم تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن کریم حفظ اور ترجمہ وتفسیر کی کلاسز طالبات کیلئے جاری ہیں۔

۱۔جامعة أثرية للبنات: یہ وسط شہر میں ایک تین منزلہ عمارت ہے جو طالبات کی تعلیم کیلئے مختص ہے۔اس میں جہلم شہر اور بیرونِ شہر کی سینکڑوں طالبات تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ان کی تعلیم کیلئے لائق معلمات کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔طالبات کی رہائش، خوراک، ضروریات اور علاج معالجے کا انتظام جامعہ کی طرف سے کیا جاتا ہے۔

۲۔مجلس التحقيق الأثرى: جامعہ علوم اُثریہ کی طرف سے یہ ایک ایسا ادارہ قائم کیا گیا ہے،

جس کا مقصد علمائے کرام کے علمی رجحان کے مطابق مختلف موضوعات پر ان سے تحقیقی کام کرانا ہے۔

۳۔مکتبة الجامعة: یہ جامعہ علوم اُثریہ کا عظیم کتب خانہ ہے، جس میں اساتذہ وطلبا کیلئے مختلف موضوعات پر ہزاروں کتابیں جمع کی گئی ہیں۔

۴۔قسم المخطوطات والمصورات: جامعہ کے اس شعبے کے تحت ملک اور بیرونِ ملک سے اہم اور نادر مخطوطات اور اہم مخطوطات کی فوٹوسٹیٹ حاصل کرنے اور ان کے ذریعے سے کسی موضوع پر تحقیقی کام کرنا ہے۔

۵۔دار الافتاء: جو حضرات تحریری صورت میں دینی مسائل سے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں، وہ اس شعبے سے رجوع کریں۔

۶۔أثریه کیسٹ هاؤس: قرآن وحدیث کے کسی موضوع پر مشہور علما کی تقریروں، متعدد مشاہیر قرائے کرام کی تلاوت اور بعض شعرا کی نظموں کی کیسٹیں۔

۷۔جامع مسجد اهل حدیث توحید چوک: یہ ایک عظیم الشان اور خوب صورت مسجد ہے جو ایک مخیّر شخص کے تعاون سے لاہور موڑ جی ٹی روڈ پر لب سڑک تعمیر کی گئی ہے۔اس مسجد میں جمعہ وجماعت کے علاوہ بچوں کے حفظ قرآن اور ناظرہ قرآن کی تعلیم کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔بیرونی طلبہ کیلئے ہاسٹل بھی ہے۔

۸۔أثریه ٹرسٹ هسپتال: جہلم سے راولپنڈی جاتے ہوئے تقریباً ۷ کلومیٹر کے فاصلے پر راٹھیاں کے قریب جی ٹی روڈ سے دائیں جانب تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر ۲۷ کنال قطعہ اراضی میں یہ ہسپتال بنایا گیا ہے۔اس میں نادار اور مستحق مریضوں کو مفت طبی سہولتیں حاصل ہیں۔

۹۔أثریه فری ڈسپنسری: یہ ڈسپنسری جامعہ علومِ اُثریہ کے ساتھ ملحق ہے۔اس سے روزانہ طلبہ وطالبات کے علاوہ سینکڑوں نادار مریض دوا حاصل کرتے ہیں۔

۱۰۔سالانه فری آئی کیمپ: جس میں ہر سال تقریباً پانچ ہزار مریضوں کو چیک اپ کیا جاتا ہے۔ان میں سے تین، چار سو مریضوں کے آپریشن ہوتے ہیں۔باقی مریضوں کو ادویات اور مفت عینکیں دی جاتی ہیں۔

۱۱۔ أثریہ مڈل سکول: یہ دو مڈل سکول ہیں ایک طلبا کیلئے اور ایک طالبات کیلئے۔ دونوں میں تعلیم کا بہترین انتظام ہے۔

۱۲۔ ماہنامہ حرمین: اپریل ۱۹۹۱ء میں جامعہ علوم اُثریہ کی طرف سے ''حرمین'' کے نام سے ایک ماہنامہ رسالہ جاری کیا گیا تھا جو اپنے مندرجات ومضامین کے اعتبار سے نہایت اہم رسالہ ہے۔ اس رسالے کا اجرا حافظ عبدالغفور جہلمی کی وفات سے اگرچہ کئی سال بعد ہوا۔ لیکن اس کا اصل مقصد انہی کے تبلیغی مشن کو آگے بڑھانا ہے اور اس مقصد کی تکمیل کیلئے یہ رسالہ برابر کوشاں ہے۔ اس کے اجرا پر سولہ سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور یہ بغیر کسی رکاوٹ کے کتاب وسنت کی اشاعت میں سرگرم عمل ہے۔ ایک خالص علمی رسالہ جاری رکھنا اور ہر مہینے اس کیلئے ایک خاص نقطۂ نظر کے مضامین جمع کرنا اور رسالے کا پیٹ بھرنا بہت مشکل کام ہے۔ اللہ کا شکر ہے یہ رسالہ (حرمین) کامیابی سے اپنی اصل منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

حافظ صاحب مصنف کی حیثیت سے: حافظ عبدالغفور جہلمی نے اپنی زندگی میں جامعہ علومِ اُثریہ کے قیام وتاسیس کیلئے جدوجہد کی اور اللہ نے اس جدوجہد میں انھیں کامیابی سے نوازا۔ اوپر کی سطور میں جامعہ کے جن شعبوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے بعض رفاہی قسم کے شعبے ان کے بعد قائم کیے گئے اور یہ نہایت ضروری شعبے ہیں جن سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور عام لوگوں کو فائدہ پہنچانا اسلام کی رو سے نہایت ضروری ہے۔

یہاں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حافظ صاحب ممدوح جہاں خطابت وتدریس میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے، وہاں تصنیف وتالیف سے بھی انھیں قلبی لگاؤ تھا۔ اگرچہ اپنی بوقلموں مصروفیات کی وجہ سے وہ قلم وقرطاس سے باقاعدہ رابطہ نہیں رکھ سکے، (اور ایک مدرس اور بہت بڑے تدریسی ادارے کے ناظم کیلئے قلم وقرطاس سے باقاعدہ رابطہ رکھنا ممکن بھی نہیں) تاہم انھوں نے وقت نکال کر بعض تحریری منزلیں بھی طے کی ہیں، جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ مسنون نماز مع مسنون دعائیں: اسلام کے پانچ ارکان میں سے دوسرا رکن نماز ہے اور مسلم اور کافر کے درمیان نماز کو حد فاصل قرار دیا گیا ہے۔ اگر جان بوجھ کر نماز ترک کردی جائے تو انسان دائرۂ اسلام سے باہر نکل کر کفر کی سرحد میں داخل ہوجاتا ہے۔ پھر نماز پڑھنے کے بھی کچھ آداب ہیں جن کا قرآن وحدیث میں تفصیل سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ نماز کے سلسلے کی کچھ دعائیں بھی ہیں جو نبی ﷺ سے منقول

ہیں۔حافظ صاحب نے اس کتاب میں ضروری تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ نبی ﷺ کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے اور نماز میں کون سی دعائیں پڑھنا چاہئیں۔ یہ کتاب نماز کے موضوع کی ایک اہم کتاب ہے۔

۲۔**فاتحہ خلف الامام**: احناف اور اہل حدیث کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے۔ نبی کریم ﷺ نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ ''سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی''۔حافظ عبدالغفور جہلمی نے اس کتاب میں دلائل کے ساتھ اس کی وضاحت کی ہے۔

۳۔**احکام رمضان المبارک**: روزہ اسلام کا چوتھا رکن ہے، جس پر عمل کرنا مسلمان پر فرض ہے۔روزہ قمری مہینوں میں سے رمضان کے مہینے میں رکھا جاتا ہے۔حافظ صاحب نے اس کتاب میں روزے کی فرضیت اور اس کی اہمیت کو صراحت سے بیان کیا ہے۔اسکے ساتھ ساتھ نماز تراویح کی مسنون تعداد گیارہ رکعت کو مدلل بیان کیا ہے۔

۴۔امامین حرمین کی آمد اور پاکستان میں نعرۂ توحید:

گزشتہ صفحات میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ ستمبر ۱۹۷۹ء میں امام کعبہ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل جہلم تشریف لائے اور جامعہ علوم اثریہ کا سنگ بنیاد رکھا۔اس موقعے پر بے شمار لوگوں نے ان کے ارشادات سننے کی سعادت حاصل کی۔ان کی جہلم تشریف آوری پر کثیر تعداد میں لوگوں نے ان کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ یہ ضیاء الحق کا دورِ حکومت تھا اسی اثنا میں بعض بدعتی مولویوں نے فتویٰ لگا دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ جو شخص امام کعبہ کی اقتدا میں نماز پڑھے گا،اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا،اس لیے کہ وہ وہابی ہے اور وہابیوں کی اقتدا میں نماز پڑھنے والے کی یہی سزا ہے۔اب حافظ عبدالغفور جہلمی کا قلم حرکت میں آیا اور انھوں نے اس کے جواب میں یہ کتاب لکھی۔

حافظ صاحب کے تلامذہ: جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا گیا، حافظ عبدالغفور جہلمی نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مختلف اوقات میں مختلف مدارس میں کئی سال خدمت تدریس انجام دی اور درحقیقت تدریس ہی ان کا اصل شعبہ تھا۔ان کے شاگردوں کی تعداد کا اندازہ کرنا تو مشکل ہے تاہم ان کے جن مشہور اور نامور شاگردوں کا علم ہوسکا ہے،ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ مولانا عبداللہ ہزاروی: مشہور عالم دین اور ہری پور کی جامع مسجد اہل حدیث کے خطیب۔

۲۔ مولانا محمود احمد غضنفر: بہت سی کتابوں کے مصنف اور مترجم۔

۳۔ مولانا حفیظ الرحمن لکھوی: استاذ پنجاب حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کے پوتے اور مولانا حبیب الرحمن لکھوی کے فرزند گرامی۔ جلیل القدر عالم اور معروف مدرس۔ جامعہ ابن تیمیہ کے بانی و مہتمم۔

۴۔ مولانا عبدالخالق قدوسی شہید: ممتاز عالم دین اور محقق۔ ۲۳۔ مارچ ۱۹۸۷ء کو لاہور کی جماعت اہل حدیث کے ایک جلسے میں بم دھماکے سے جامِ شہادت نوش کیا۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر بھی اسی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مرتبہ شہادت کو پہنچے۔

۵۔ مولانا محمد زکریا ظفر: کئی درسی کتابوں کے مصنف۔ فروری ۱۹۹۲ء میں وفات پائی۔

۶۔ مولانا محمد اکرم رحمانی (فاضل مدینہ یونیورسٹی): مدرس جامعہ سلفیہ۔ فیصل آباد

۷۔ مولانا محمد علی حامد: مدرس جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن (ضلع فیصل آباد)

۸۔ مولانا عبدالخالق: کھڈیاں خاص (ضلع قصور)

۹۔ مولانا محمد ابراہیم: میر پور آزاد کشمیر (اب برمنگھم برطانیہ میں خطیب ہیں اور مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے ناظم تبلیغ ہیں)

۱۰۔ مولانا عبدالسلام ہزاروی: پشاور ۱۱۔ مولانا عبدالواحد ہزاروی: پشاور ۱۲۔ مولانا عبدالرحمٰن حنیف

۱۳۔ مولانا محمد مدنی: حافظ صاحب کے بڑے صاحب زادے (ان کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔)

۱۴۔ مولانا حافظ محمد سلیم: فتح پور (ضلع اوکاڑہ) ۱۵۔ مولانا حافظ عبداللہ: منڈی واربرٹن (ضلع شیخوپورہ)

۱۶۔ مولانا نصیرالدین: کھنڈا موڑ۔ (ضلع ننکانہ)

معاصرین: لفظ معاصر کے لغوی معنی تو ''ہم زمانہ'' اور ''ہم عہد'' کے ہیں یعنی جو لوگ ایک ہی زمانے اور ایک ہی دور میں اکٹھے زندگی بسر کر رہے ہیں انھیں لغوی اعتبار سے معاصر کہا جاتا ہے، لیکن اصطلاح میں ان لوگوں پر معاصر کا لفظ بولا جائے گا جو علم، عمل، مرتبے اور درجے میں باہم برابر ہوں۔ حافظ عبدالغفور جہلمیؒ کے ہم عمر اور ہم زمانہ تو بے شمار لوگ ہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ علم وعمل، فکر وفہم، درس وتدریس اور وعظ وخطابت وغیرہ اوصاف میں ان کے ہم پایہ اور ہم سر لوگ کون ہیں۔ بے شک بہت طلبا ان کے ہم جماعت ہوں گے اور متعدد مدرسین نے ان کی رفاقت میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے ہوں گے اور کتنے ہی واعظین ومقررین نے ان کے ہم سفر ہو کر مختلف مقامات میں خطابت وتقریر کے جوہر دکھائے ہوں گے۔ لیکن ان سب کا احصار نہ میں کر سکتا ہوں، نہ کوئی اور

کر سکتا ہے اور نہ کبھی کسی نے کسی اہم شخصیت کے تمام معاصرین کا نام بہ نام ذکر کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے۔

یہاں ہم ان کے چند معاصرین کے نام درج کریں گے۔ ان میں سے ممکن ہے زمانہ طالب علمی میں بعض ان کے ہم جماعت یا ہم مکتب بھی رہے ہوں۔ دو چار سال کے تفاوت سے یہ حضرات تقریباً ہم عمر ہی ہوں گے......

۱۔ مولانا ابوالبرکات احمد: مدراس (جنوبی ہند) کے ایک گاؤں میں ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئے۔ بہت بڑے مدرس تھے۔ تدریس کا تمام زمانہ جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں گزرا۔ بے شمار علما و طلبا نے ان سے استفادہ کیا۔ خود دار اور صاحب تقویٰ عالم دین تھے۔ ۲۹۔ جولائی ۱۹۹۱ء کو گوجرانوالہ میں فوت ہوئے۔

۲۔ مولانا محمد صادق خلیل: ان کی ولادت مارچ ۹۲۵ء میں اوڈاں والا (ضلع لائل پور) میں ہوئی، وہیں تعلیم حاصل کی۔ متعدد کتابوں کے مصنف اور مترجم تھے۔ معروف مدرس تھے، جن سے بے شمار طلبا نے کسب علم کیا۔ ۶۔ فروری ۲۰۰۴ء کو فیصل آباد میں وفات پائی۔

۳۔ مولانا حبیب اللہ لکھوی: پنجاب کے لکھوی خاندان کے عظیم رکن حضرت مولانا عطاء اللہ لکھوی کے فرزند گرامی قدر تھے۔ درس و تدریس میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ ان کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ ۲۰۔ مئی ۱۹۷۳ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔

۴۔ مولانا محمد یعقوب ملہوی: مقام ولادت چک نمبر ۲۰ الف (رینالا خورد) اور تاریخ ولادت ۱۹۲۱ء ہے۔ زیادہ تعلیم اوڈانوالا (ضلع لائل پور) کے دارالعلوم میں حاصل کی۔ کچھ عرصہ گوجرانوالہ کے بعض اساتذہ سے بھی اکتسابِ فیض کا موقع ملا۔ تدریس کا فریضہ عمر بھر اوڈانوالا میں انجام دیتے رہے۔ نہایت پرہیز گار عالم اور بے حد فرض شناس مدرس تھے۔ ۱۳، ۱۴ نومبر ۱۹۸۱ء کی درمیانی رات کو اوڈانوالا میں راہیِ ملک بقا ہوئے۔ تلامذہ کی بہت بڑی تعداد اپنے پیچھے چھوڑی جو مختلف مقامات میں مصروف درس و تدریس ہیں۔

۵۔ مولانا محمد صدیق لائل پوری: جماعت اہل حدیث کے مشہور خطیب اور مناظر تھے۔ شیعیت کے متعلق ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ بعض شیعی اہل علم سے مناظرے بھی کیے۔ تدریس میں بھی نام پیدا کیا۔ ۴۔ فروری ۱۹۲۱ء کو موضع کرپالا (تحصیل تاندلیانوالہ، ضلع لائل پور) میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۔ ستمبر ۱۹۸۹ء کو انتقال ہوا۔

۶۔ مولانا محمد اسحاق چیمہ: ہمارے حلقہ اہل علم کی ایک مشہور شخصیت مولانا محمد اسحاق چیمہ کی ہے۔ مولانا

ممدوح نے تدریس بھی کی اور تجارت بھی کرتے رہے۔ ان کی تاریخ پیدائش ۱۵۔ مئی ۱۹۲۱ء ہے۔ وہ ہمارے مخلص ترین دوست تھے۔ ۲۳۔ مارچ ۱۹۹۳ء کو انھوں نے اس دنیائے دوں سے منہ موڑا اور عالم جاودانی کی راہ لی۔

۷۔ مولانا فیض الرحمٰن ثوری: پاکستان کے ممتاز محقق اور جماعت اہل حدیث کے نامور عالم مولانا فیض الرحمٰن ثوری ۱۹۲۰ء کے پس وپیش پیدا ہوئے۔ نہایت زیرک اور صاحب تحقیق بزرگ تھے۔ ان کے علمی کارناموں کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ۵۔ دسمبر ۱۹۹۶ء کو ان کا انتقال ہوا۔

حافظ عبدالغفور رحمہ اللہ کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا، جن میں علمائے کرام اور مدرسین عظام کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ظاہر ہے وہ حضرات یا ان کے ہم عمر ہوں گے یا عمر میں دو چار سال کی کمی بیشی ہوگی۔ ہم انھیں ان کے معاصرین ہی قرار دیں گے، کیونکہ ان کی حیثیت بھی حافظ صاحب کی طرح اصحاب تدریس وخطابت کی ہے۔ یہاں ان کے صرف سات معاصرین کا ذکر کیا گیا ہے جو علمائے دین کے زمرے میں شامل تھے۔ اس سے زیادہ کی نہ ضرورت ہے اور نہ ان صفحات میں گنجائش ہے۔ باقی معاصرین کو انہی پر قیاس کرنا چاہیے۔

عادات وخصائل: ہر شخص کو بارگاہِ الٰہی سے کچھ عادات وخصائل ودیعت کی جاتی ہیں اور ان عادات وخصائل کا اس کے عمل وکردار سے اظہار بھی ہوتا رہتا ہے۔ حافظ عبدالغفور جہلمی بھی بعض عادات وخصائل کے حامل تھے۔ ان کا روزانہ بہت سے الگ الگ ذہن وفکر کے حامل لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ ان کا علما سے بھی تعلق تھا، طلبا سے بھی روابط تھے، شہر کے لوگوں سے بھی ان کے مراسم تھے، دیہاتیوں کی بھی ان کے ہاں آمد ورفت رہتی تھی، شرعی مسائل پوچھنے والے بھی ان کی خدمت میں آتے تھے، مدرسین سے بھی انھیں گفتگو کرنا ہوتی تھی، جامعہ کے ہر روز کے اخراجات کا بھی انھیں انتظام کرنا ہوتا تھا۔ اس طرح معاملات کا ایک ہجوم تھا جس سے ہر وقت ان کا واسطہ رہتا تھا۔ جو شخص ہمیشہ اس قسم کی ذمہ داریوں میں گھرا رہتا ہو، عام طور پر اس میں چڑچڑا پن آجاتا ہے اور اس پر گھبراہٹ کا سایہ لہرانے لگتا ہے۔ لیکن حافظ عبدالغفور کو اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی خصوصیات سے نوازا تھا کہ وہ حالات کا نہایت خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے تھے اور ان کے چہرے پر ہر آن اطمینان کے آثار جھلکتے رہتے تھے۔

جہاں تک ہم جانتے ہیں وہ باعمل عالم تھے، اللہ کے دین کے مخلص تریں خادم، تہجد گزار اور عابد وزاہد شخص تھے۔ اپنے مسلک کے لوگوں کے علاوہ دوسرے مسالک کے علما وعوام سے بھی وہ مخلصانہ روابط رکھتے تھے اور بعض مشترکہ معاملات میں ان سے ان کا میل ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ وہ بھی ان کے پاس آتے اور یہ بھی

ان کے ہاں جاتے تھے۔معتدل مزاج اور نرم خو تھے۔ ہر ایک کی بات کھلے دل سے سنتے تھے اور اپنی بات صفائی سے ان کو سناتے تھے۔ چھوٹے پر شفقت کا اظہار کرتے اور بڑے کے احترام کو اپنے لیے ضروری قرار دیتے تھے۔ اہل علم اگرچہ کسی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں، ان کی تکریم بجالاتے تھے۔

قرآنِ مجید سے انھیں قلبی لگاؤ تھا اور اس کی روزانہ تلاوت کرتے تھے۔ زبان ذکر الٰہی میں مصروف رہتی تھی۔ لوگوں کو بھی ان کے ذہن کے مطابق اس کی ترغیب دیتے تھے۔ غریب کی امداد اور مستحق کی اعانت ان کا لازمہ حیات تھا۔ بے حد مہمان نواز تھے اور مہمان کو دیکھ کر اور اس کی خدمت کر کے خوش ہوتے تھے۔

بسا اوقات اپنی ضروریات پر دوسرے کی ضروریات کو ترجیح دیتے تھے اور یہ بہت بڑا وصف تھا جس سے اللہ نے ان کو نوازا تھا۔ یہ ان کے اخلاص کا کرشمہ اور اَخلاق کا نتیجہ تھا کہ اپنی جماعت کے اصحابِ علم کے علاوہ دوسری جماعتوں کے اصحابِ علم ان سے مل کر خوش ہوتے تھے اور یہ بھی ان سے اکرام کا برتاؤ کرتے تھے۔

ان کی تبلیغ کا اثر اور کوششوں کا ثمر ہے کہ ان کے جہلم جانے کے بعد وہاں اہل حدیث کی کئی مسجدیں تعمیر ہوئیں، لوگوں کے دلوں میں دینی تعلیم کے حصول کا جذبہ ابھرا اور توحید و سنت کی اشاعت کے دائروں میں وسعت آئی۔ جہلم کے اردگرد میں بھی کلمہ حق بلند ہوا اور لوگ اُس سے بے حد متاثر ہوئے۔

روزانہ کے معمولات: ان کے روزانہ کے جن معمولات کا مجھے علم ہوسکا ہے، وہ یہ ہیں۔

۱۔ تہجد کے بعد قرآنِ مجید کے تقریباً چار پاروں کی تلاوت۔

۲۔ نمازِ فجر کے بعد مسنون وظائف واوراد۔ ۳۔ دن رات میں بہ کثرت درود شریف پڑھتے۔

۴۔ نماز اشراق مسجد میں پڑھ کر گھر تشریف لاتے۔ ناشتہ کرتے اور گھر کے معاملات کے بارے میں ضروری مشورے کرتے۔ اس اثنا میں چھوٹے بچوں یعنی پوتے پوتیوں سے پیار محبت کی باتیں کی جاتیں اور ان کے ذہن کے مطابق انھیں کچھ سکھانے پڑھانے کی کوشش کی جاتی۔

۵۔ پھر اپنے کتب خانے میں تشریف لے جاتے جو ان کا دفتر بھی تھا۔ وہاں اساتذہ، طلبا اور ملاقات کیلئے آنے والوں سے گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا۔ میل ملاقات والے جماعت کے لوگ بھی ہوتے تھے اور عام شہری بھی۔ بعض لوگ گھریلو مشوروں کیلئے بھی آتے۔

۶۔ لکھنے پڑھنے اور مطالعہ کا کمرہ بھی یہی تھا۔

۷۔ گرمیوں میں دوپہر کا کھانا نمازِ ظہر کے بعد کھاتے اور پھر کچھ دیر قیلولہ کرتے۔

۸۔ اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھتے۔ وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔

وسیع الظرف اور فراغ حوصلہ عالم دین تھے۔ ہر شخص سے اس کی قابلیت اور قوت فہم کے مطابق گفتگو کرتے۔ کسی سے بے مقصد بات کرنا اور لڑنا جھگڑنا ان کی عادت نہ تھی۔ دین کے عالم تو وہ تھے ہی، دنیوی معاملات کو بھی خوب سمجھتے تھے۔

دوسروں کے مسلکی نقطۂ نظر کا احترام کرتے تھے اور اپنے مسلک میں بے لچک تھے۔

ایک شیعہ اہل علم کا واقعہ: قاضی محمد اسلم سیف مرحوم نے ''تذکار حافظ عبدالغفور جہلمی'' میں حافظ صاحب سے متعلق ایک شیعہ اہل علم کا واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''اُن کی مجلس میں اہل حدیث اور غیر اہل حدیث کا کوئی امتیاز نہ تھا، جو اُن سے ملتا وہ ان سے خندہ پیشانی اور کشادہ قلبی سے پیش آتے۔ اسی لیے غیر اہل حدیث آج بھی ان کے حسن اخلاق کے مداح ہیں۔ اس کے ثبوت کیلئے ہمارے فاضل دوست سید بشیر حسین شاہ بخاری، صدر مرکز تحقیقاتِ اسلامیہ سرگودھا، مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''احقاقِ حق'' (سرگودھا) جو مسلکاً شیعہ ہیں، حافظ صاحب کے بارے میں راقم کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: ''جامعہ علوم اُثریہ جہلم کے بانی اور مہتمم جناب حافظ عبدالغفورؒ اپنے مسلک کے لحاظ سے تو پکے اہل حدیث تھے، مگر دوسرے مکاتب فکر حضرات سے نہایت کشادہ دلی سے پیش آنا ان کا ایک خاص مزاج تھا۔ بندہ ان دنوں محکمہ اوقاف پنجاب میں بحیثیت آفیسر سپیشل ڈیوٹی تعینات تھا۔ ان کی مسجد اہل حدیث جہلم کی تعمیر ومرمت کا ایک بل اکاؤنٹس برانچ لاہور سنٹرل زون میں زیر تصفیہ چلا آ رہا تھا، جس کیلئے وہ بذاتِ خود لاہور دفتر میں تشریف لائے۔ کام تو دراصل اکاؤنٹس برانچ کا تھا چونکہ میرے دل میں حضرات علمائے کرام کا قدرتی طور پر احترام کا جذبہ تھا، اس لیے میں نے انھیں دیکھتے ہی اپنے کلرک محمد امین کے ذریعے اپنے کمرے میں بلا لیا۔ مزاج پرسی کے بعد تشریف آوری کا مقصد دریافت کیا، تو جب آپ نے مسجد اہل حدیث جہلم کے بارے میں اپنے معاملے کی وضاحت فرمائی تو مجھے اپنے قابل صد احترام دوست ہی نہیں بلکہ مہربان جناب مولانا حافظ محمد اسمٰعیل روپڑی مرحوم اور جناب حضرت مفتی محمد صدیق مرحوم جو سرگودھا میں میرے مکان کے بالمقابل مرکزی جامع مسجد اہل حدیث بلاک ۱۹ میں خطیب رہ چکے تھے، ان کی محبت اور کرم فرمائی نے میرے دل ودماغ میں کروٹیں لینا شروع کر دیں۔ میں نے آناً فاناً ان کا بل پاس کرا دیا۔ پھر چائے پی رہے تھے کہ حافظ صاحب نے بڑے عجیب انداز سے استفسار فرمایا کہ آپ اہل حدیث ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ کون مسلمان ہے جو حدیث کا منکر ہے؟ حافظ صاحب مسکرا دیے

نگران کی مسکراہٹ میں حیرانی بھی نظر آ رہی تھی۔ فرمانے لگے میرا مقصد یہ ہے کہ کس مکتب فکر سے آپ تعلق رکھتے ہیں؟

''میں نے عرض کیا کہ بفضل باری تعالیٰ میں شیعہ مکتب فکر سے متعلق ہوں۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ پھر تو آپ نے میرا کیس حل کرنے میں کمال کر دکھایا۔ میں نے عرض کیا کہ جناب یہ کمال نہیں، اسے میں نے اپنا فرض سمجھ کر انجام دیا ہے۔ حافظ عبدالغفور صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ نہ کرتے تو آپ سے کوئی گلہ بھی نہ تھا۔ کیوں کہ اصل ذمہ داری تو اکاؤنٹس برانچ کی تھی جس میں یہ معاملہ ڈیڑھ سال سے پڑا ہوا تھا۔ یہ واقعہ ۱۹۶۳ء کا ہے۔

''خدا کی قدرت ۱۹۶۵ء میں مجھے ضلع گجرات اور ضلع جہلم کی وقف املاک کا چارج ملا۔ گجرات ہیڈ کوارٹر تھا۔ حافظ صاحب سے ملاقات کے شوق میں پہلا دورہ میں نے جہلم کا رکھا اور سیدھا حافظ صاحب کی مسجد میں پہنچا۔ حافظ صاحب مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انہی کے پاس قیام کیا۔ مسجد کے ایک گوشے میں ان کا کتب خانہ تھا۔ غالباً اسی سے ملحق ان کی رہائش گاہ تھی، جس کا ایک دروازہ کتب خانے میں کھلتا تھا۔ کیوں کہ اسی دروازے سے کھانا آتا تھا۔ رات میں نے کتب خانے پر نظر ڈالی تو مجھے تمام کتب بلا ترتیب نظر آئیں۔ صبح حافظ صاحب نے جب میرے لیے ناشتہ ترتیب دیا تو میں نے کہا حافظ صاحب ابوداؤد طیالسی ہے تو ذرا لائیے۔ حافظ صاحب میرے ذہنی شوق سے واقف نہ تھے، حیران ہو گئے۔ دائیں بائیں تلاش کرنے لگے۔ بالآخر میں نے اشارہ کیا کہ طبقات ابن سعد کے ساتھ پڑی ہے۔ حافظ صاحب سے میں نے عرض کیا کہ چار طلبا بلائیے تا کہ اسے فن وار کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ مرحلہ ہم نے نمازِ ظہر تک مکمل کر لیا۔ نماز میں نے اپنے شیعہ طریقے پر حافظ صاحب کے خلف میں ہی ادا کی۔

''ربیع الاوّل کا مہینا تھا، مسجد اہل حدیث کے چوک میں بریلوی برادران نے جلسہ رکھا ہوا تھا۔ ہم نے مسجد کی گیلری سے جلسے میں مقررین کی تقاریر سنیں۔ ایک مقرر 'نور بشر' کے موضوع پر اپنے مخصوص انداز میں تقریر فرما رہے تھے۔ میں نے کہا حافظ صاحب اب فرمائیے کیا خیال ہے؟ حافظ صاحب نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ بخاری صاحب! بات کوئی ایسی نہیں، حضور (ﷺ) نورِ ہدایت بھی ہیں اور بشر تو ہیں ہی۔ اگر ہم کہہ دیں کہ حضور (ﷺ) نورِ ہدایت ہیں تو بریلوی شور مچا دیں گے کہ وہابی ''من گئے، من گئے۔'' اور اگر بریلوی کہہ دیں کہ بشر ہیں تو اہل حدیث شور مچا دیں گے کہ بدعتی ''من گئے، من گئے''۔'' حافظ صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے، مگر ان کا یہ فقرہ مجھے خوب یاد ہے ''من گئے، من گئے۔'' جس انداز سے فرمایا جب وہ الفاظ یاد آتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب میرے پاس بیٹھے ہوئے فرما رہے ہیں۔ اب ان کا دار العلوم ان کی یاد تازہ کیے ہوئے ہے۔

''بڑی خوبیوں کے انسان تھے۔ کھلا ذہن، غیر متعصب اور مہمان نوازی ان پر ختم تھی۔''

شکوہ اور دعوت: حافظ عبدالغفور جہلمیؒ سے میری آخری ملاقات مال روڈ پر ٹولنٹن مارکیٹ میں ہوئی۔ میں صبح نو بجے درست اپنے اس زمانے کے دفتر (ادارہ ثقافت اسلامیہ) جا رہا تھا کہ ٹولنٹن مارکیٹ میں عربی کے دو تین رسالے لینے کیلئے اخبار فروش کی دکان پر رکا۔ اخبار خرید کر چند قدم آگے بڑھا تو دیکھا کہ مجھے دیکھ کر حافظ عبدالغفور کار سے اتر رہے ہیں۔ حسب عادت اور حسب معمول نہایت تپاک سے ملے۔ وہی خندہ روئی، وہی آنکھوں کی چمک اور وہی لہجہ، جس سے ہم برسوں سے آشنا تھے۔ ان کے ساتھ ایک اور نوجوان بھی تھے۔ لیکن اب اس نوجوان کا ناک نقشہ ذہن میں نہیں ہے۔ دوست کو دیکھ کر خوش ہونا اور ایک خاص انداز سے ہنسنا ان کی فطرت میں داخل تھا، جسے ہم ان کے خلوص اور دلی محبت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

خیر و عافیت اور تصنیف و تالیف سے متعلق پوچھ کر، ہنستے ہوئے شکوے کے انداز میں کہا کہ آپ سے اتنا پرانا تعلق ہے کہ اس کے ماہ و سال کا حساب لگانا مشکل ہے، لیکن آپ نے میرے پاس جہلم آنے اور میرا قائم کردہ تعلیمی ادارہ جامعہ علومِ اثریہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ کیا آپ مجھے بھول گئے ہیں یا مجھ سے کچھ ناراضگی ہے؟

میں نے کہا: نہ میں آپ کو بھولا ہوں، نہ آپ سے کسی معاملے میں ناراض ہوں۔ میں آپ سے بہت خوش ہوں، دوستوں سے آپ کے تعلیمی ادارے کے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم ہوا ہے اور آپ کی تدریسی سرگرمیوں سے متعلق بھی بہت کچھ سننے میں آیا ہے۔ لیکن یہ میری سستی ہے کہ میں حاضر نہیں ہو سکا۔ اس سے چند روز پیشتر مجھے ایک دوست نے بتایا تھا کہ وہ کسی سلسلے میں حافظ صاحب کے پاس گئے تھے اور انھوں نے ان کی بہت خدمت کی، کسی معاملے میں کچھ مالی تعاون بھی کیا۔ میں نے حافظ صاحب سے ہنستے ہوئے عرض کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنے پاس آنے والوں سے اتنا اچھا سلوک کرتے ہیں کہ اس کے ذہن و فکر میں بھی نہیں ہوتا۔ میں بھی آپ کے پاس آؤں گا اور دیکھوں گا کہ آپ مجھ سے کیا برتاؤ کرتے ہیں۔ میں نے اس دوست کا نام نہیں لیا تھا، لیکن وہ فوراً سمجھ گئے اور فرمایا تم آؤ تو سہی تمھارے ساتھ اس سے زیادہ اچھا سلوک ہوگا۔

اس کے بعد وہ ایک دم خاموش ہو گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو تیرنے لگے۔ فرمایا: اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ بہت اچھا ادارہ بن گیا ہے۔ کئی استاد سیکڑوں طلبا کو تعلیم دیتے ہیں اور میں ان کا خدمت گزار ہوں۔ تم ایک مرتبہ ضرور آکر دیکھو۔ لیکن افسوس ہے میں خواہش کے باوجود ان کی زندگی میں حاضر نہ ہو سکا۔ لاہور کے رہنے والے میرے ایک دوست جہلم میں سیشن جج تھے۔ انھوں نے اور ان کی بیگم نے بھی مجھے کئی دفعہ بتایا کہ

وہاں اہل حدیث کا بہت بڑا تدریسی ادارہ ہے اور شاندار مسجد ہے، ہم لوگ نماز جمعہ وہیں پڑھتے ہیں۔تم وہاں آؤ، ہمارے پاس رہو اور وہ ادارہ دیکھو۔لیکن اسے سوئے اتفاق کہیے کہ میں جہلم نہ جا سکا۔حافظ صاحب کے وہاں جانے سے قبل مولانا عبدالمجید دینانگری کے زمانے میں تو کئی بار وہاں گیا۔ایک مرتبہ میں اور مولانا محمد حنیف ندوی دونوں گئے۔لیکن افسوس ہے حافظ عبدالغفور کی تشریف آوری کے بعد جہلم جانے کا موقع میسر نہ آیا۔انھوں نے مجھے حاضری کی دعوت بھی دی اور دوستانہ شکوہ بھی کیا۔مگر میری سستی آڑے آئی اور جہلم جا کر ان سے ملنا نصیب نہ ہوا۔

وفات: دن رات کی سخت محنت اور بھاگ دوڑ نے ان کی صحت پر اثر ڈالا اور وہ بیمار ہو گئے اور پھر ایک بیماری نے کئی بیماریوں کو جنم دیا۔کچھ عرصہ تو انھوں نے بیماری کو زیادہ اہمیت نہ دی۔بالآخر بیماریوں کا ہجوم غالب آیا اور وہ نڈھال ہو کر چارپائی پر گر گئے۔بہت علاج کرائے لیکن ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' والی کیفیت ہو گئی۔ ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں داخلے تک نوبت پہنچی۔وہ ضیاء الحق کا زمانۂ حکمرانی تھا۔ضیاء الحق سے براہِ راست امام کعبہ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیّل نے رابطہ کر کے تاکید کی کہ حافظ عبدالغفور کا علاج ماہر ڈاکٹروں سے کرایا جائے۔ چنانچہ ضیاء الحق نے ڈاکٹروں سے کہا لیکن وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔

۱۵۔اکتوبر ۱۹۸۶ء کو راولپنڈی کے ایم۔ایچ ہسپتال میں حافظ صاحب نے اپنے معالجوں سے واپس جہلم جانے کی خواہش کا شدید اصرار کیا تو انھوں نے ایک دن کیلئے انہیں لے جانے کی اجازت دے دی۔اسی دن انھیں جہلم لایا گیا۔رات کو قدرے سکون رہا۔لیکن یہ سکون عارضی تھا۔بالآخر وقت مقرر آپہنچا۔۱۶۔اکتوبر ۱۹۸۶ء (۳۔صفر ۱۴۰۷ھ) کو جمعرات کے دن اذان عصر کے وقت ان کا انتقال ہو گیا۔**انا للہ وانا الیہ راجعون**

دوسرے دن ۱۷۔اکتوبر کو جمعۃ المبارک کے بعد ان کا جنازہ اٹھایا گیا۔ہر مکتب فکر کے بے شمار عوام و خواص اور علما و زعما نے جنازے میں شرکت کی۔اسلام آباد سے سعودی عرب، عراق، کویت اور متحدہ عرب امارات کے سفارتی نمائندے جہلم آئے اور جنازے میں شریک ہوئے۔متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب وغیرہ سے ان کے عرب دوست جنازہ میں پہنچ گئے اور لحد میں بھی انہوں اتارا۔امام کعبہ اور دیگر حضرات نے تعزیت کے پیغامات ارسال کیے۔ضیاء الحق کا طویل تعزیتی خط حافظ صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد مدنی کے نام آیا۔حافظ عبدالغفور ۱۹۶۲ء میں جہلم گئے تھے۔انھوں نے اکتوبر ۱۹۸۶ء تک ربع صدی (چوبیس برس) وہاں خدمات سرانجام دیں اور اس شہر میں بہت بڑا تدریسی ادارہ اور متعدد چھوٹے تعلیمی ادارے قائم کر کے اس دنیائے

فانی سے رخصت ہو گئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ.

اولاد: وفات کے وقت حافظ صاحب مرحوم کی اولاد پانچ بیٹے تھے اور ایک بیٹی۔ تمام بچے علم کی نعمت سے آراستہ، ماں باپ کے فرماں بردار، فرض شناس اور دینی و دنیوی ذمہ داریوں کو خوب سمجھنے والے اور ان پر عامل۔ مندرجہ ذیل سطور میں اس کی کچھ تفصیل ملاحظہ ہو۔

۱۔ **مولانا محمد مدنی**ؒ: یہ حافظ صاحب کے سب سے بڑے بیٹے تھے جو ۵۔ جنوری ۱۹۴۶ء کو اپنے آبائی مسکن بستی اٹھوال جاگیر نزد فتح پور (ضلع اوکاڑہ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن، جامعہ سلفیہ فیصل آباد، ادارہ علوم اُثریہ فیصل آباد، جامعہ شرعیہ (مدینۃ العلم) گوجراں والا اور دیگر مدارس سے تعلیم حاصل کی۔ جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) سے سند فراغت لی۔ ''مدنی'' کی نسبت سے انھیں اس لیے یاد کیا جاتا ہے کہ وہ گوجراں والا کے ایک تدریسی ادارے مدینۃ العلم میں تحصیل علم کرتے رہے تھے۔ مولانا محمد مدنی تیز فہم اور ذہین طالب علم تھے۔ ان کے پاکستانی اساتذہ کی فہرست میں ان کے والد کے علاوہ حضرت حافظ محمد گوندلوی، مولانا عبداللہ لائل پوری، مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی اور دیگر بہت سے ممتاز علمائے کرام شامل ہیں۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بھی انھوں نے مختلف اسلامی ملکوں کے اصحابِ علم سے حصولِ فیض کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے (عربی) کی ڈگری حاصل کی۔

قیام مدینہ منورہ کے زمانے میں وہ مسجد نبوی میں وعظ ونصیحت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ حج کے مواقع پر بھی مختلف مقامات پر ان کا سلسلہ تقریر (دعوت وتبلیغ) جاری رہتا تھا۔ وہ ہمہ وقتی مبلغ تھے۔ انھیں تبلیغ کا شوق بھی تھا اور کلمہ حق بلند کرنے اور لوگوں کو احکامِ الٰہی سے آشنا کرنے کا جذبہ بھی ان کے اندر پایا جاتا تھا۔

وہ عربی اور اردو کے بہت اچھے خطیب، بہت اچھے مناظر اور بہت اچھے مدرس تھے۔ علاوہ ازیں بہت اچھے منتظم بھی تھے۔ اپنے والد ذی قدر کی وفات کے بعد انھیں جامعہ علوم اُثریہ کے مہتمم وناظم مقرر کیا گیا تھا۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری کا کام تھا جو ان کے سپرد کیا گیا۔ انھوں نے نہایت محنت سے اس کی رفتار کو آگے بڑھایا اور کئی نئے شعبے قائم کیے۔ پھر افادۂ عوام کیلئے رفاہی سلسلے کو بھی ترقی دینے کی سعی کی۔ پنجاب بھر میں مختلف مقامات پر بے شمار مسجدیں تعمیر کرائیں۔ تصنیف وتالیف اور مقالہ نگاری کے میدان میں قلم کے جوہر دکھائے۔ رسالہ ''حرمین'' جاری کیا، جسے علمی، تحقیقی اور سیاسی مباحث کا دلچسپ مجموعہ قرار دینا چاہیے۔ انھوں نے متعدد اسلامی اور غیر اسلامی

ملکوں کے تبلیغی دورے کیے اور بہت سے اجتماعات میں مؤثر تقریریں کیں۔ انتظام وانصرام اور تبلیغ دین اور ترویج کتاب وسنت میں وہ والد محترم کے نقش قدم پر چلے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جو کام وہ اپنی بیماری یا کسی اور وجہ سے مکمل نہیں کر پائے تھے، مولانا محمد مدنی نے ان کاموں کی تکمیل کا عزم کیا اور اس میں اللہ نے ان کو کامیابی عطا فرمائی۔ افسوس ہے موت نے ان کو مہلت نہ دی، ورنہ ان کے ارادے بہت بلند تھے۔ وہ بڑے عزم وہمت کے عالم دین تھے۔ عمر کی زیادہ منزلیں طے نہیں کی تھیں کہ انہیں بخار ہو گیا، ابتدا میں انہوں نے توجہ نہ دی اور عام ڈاکٹروں سے علاج کرواتے رہے اور اندرون وبیرون ملک دورے بھی جاری رکھے مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کے مصداق آٹھ مہینے اس بخار میں مبتلا رہے اور یہی بخار ان کیلئے مرض الموت ثابت ہوا۔

آخری دنوں وہ لاہور میں گورنر پنجاب جنرل (ر) خالد مقبول کے مشورہ سے سروسز ہسپتال میں داخل تھے، جہاں کے ایم۔ایس ڈاکٹر عیص محمد کی زیر نگرانی ڈاکٹروں کی ٹیم ان کے علاج پر خصوصی توجہ دے رہی تھی۔ چونکہ گورنر پنجاب نے وفات سے دو ہفتہ قبل جامعہ علوم اثریہ کا دورہ کیا تھا جس میں انہوں نے مدنی صاحب کی ان کے گھر میں عیادت بھی کی اور علاج کیلئے لاہور لے جانے کی پیش کش بھی کی جسے مدنی صاحب نے ابتدا میں قبول نہ کیا مگر ان کے اصرار کی وجہ سے لاہور جانے پر رضامند ہو گئے۔ اس دوران لاہور اور دیگر شہروں سے علماء اور دیگر عقیدت مند جوق در جوق عیادت کیلئے ان کے پاس آتے رہے۔ میں اور حافظ احمد شاکر (مکتبہ سلفیہ لاہور) ۱۸۔ فروری ۲۰۰۲ء کو تین بجے کے قریب ان کی عیادت کے لیے ہسپتال پہنچے تو ان کی میت ہسپتال کے صحن میں ایمبولینس میں رکھی جا رہی تھی۔ دوسرے دن ۱۹۔فروری کو جنازہ تھا۔ میں اور حافظ احمد شاکر جہلم جا کر جنازے میں شامل ہوئے۔ جہلم شہر اور اس علاقے کے علاوہ مختلف مقامات کے بے شمار لوگ جنازے میں شریک تھے۔ مرحوم نے صرف ۵۶ برس عمر پائی۔ ابھی ۵۷ویں برس میں قدم رکھا ہی تھا کہ اللہ کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مولانا مرحوم جامعہ علوم اثریہ میں سعودی عرب کی طرف سے بہ طور مبعوث خدمات انجام دیتے تھے۔ **اللھم اکرم نزلہ ووسع مدخلہ وادخلہ الجنۃ الفردوس.**

۲۔ قاری عبدالرشید: حافظ عبدالغفور جہلمیؒ کے دوسرے بیٹے کا نام قاری عبدالرشید ہے۔ انھوں نے جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن اور جامعہ اسلامیہ گوجرانوالا میں تحصیل علم کی۔ جامعہ اثریہ کے شعبہ حفظ کے ابتدائی بچوں کو قرآن مجید پڑھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے اور انھیں کتاب وسنت کی خدمت کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔

۳۔ حافظ عبدالحمید عامر: حافظ عبدالغفور جہلمیؒ مرحوم ومغفور کے تیسرے فرزند گرامی حافظ عبدالحمید عامر ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں۔ بڑے بھائی کی وفات کے بعد جامعہ علوم اثریہ کے تمام شعبوں کے

انتظامی امور کی نگرانی کا بوجھ ان کے کندھوں پر ہے۔ یہ جامعہ کے رئیس (مہتمم) ہیں۔ اساتذہ کے ساتھ معاملات، طلبا کی دیکھ بھال، تعلیمی امور، امتحانات کا سلسلہ، مختلف مواقع پر اجتماعات کا انعقاد ماہنامہ ''حرمین'' کی ادارت، خرچ اخراجات کے انتظامات، کتب خانے کا انصرام وغیرہ تمام امور بہ حیثیت رئیس الجامعہ حافظ عبدالحمید عامر کے سپرد ہیں۔ مجھے پہلی مرتبہ جامعہ کی عمارت میں جانے اور اس کے مختلف شعبوں سے باخبر ہونے کا موقع انہی کے زمانہ اہتمام میں ملا۔ نہ اس کے بانی حافظ عبدالغفورؒ کے عہد میں حاضر ہو سکا اور نہ مولانا محمد مدنیؒ کے دور میں وہاں جانا نصیب ہوا۔ حافظ عبدالحمید عامر نے بذریعہ ٹیلی فون دعوت دی تو کوئی عذر یا بہانا ذہن میں نہ آیا اور حاضر ہو گیا۔ اس موقعے پر اُثریہ ہسپتال بھی دیکھا، کتب خانہ بھی دیکھا، طلبا کا دارالاقامہ بھی دیکھا، جامعہ اُثریہ للبنات بھی دیکھا، مہمان خانہ بھی دیکھا، مسجد بھی دیکھی۔ پرانی مسجد میں بھی گیا۔ ماشاءاللہ بہت اچھا انتظام ہے، بہت بڑا دارالعلوم ہے۔ اساتذہ، طلبا اور دیگر حضرات سے مل کر نہایت مسرت ہوئی۔ اتنے بڑے ادارے کا انتظام اور اس کی دیکھ بھال بڑی ہمت کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ حافظ عبدالحمید عامر اور ان کے رفقائے کار کو صحت و عافیت سے رکھے، وہ نہایت مستعدی سے یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ سعودی عرب کی طرف سے حافظ عبدالحمید عامر کی حیثیت مبعوث کی ہے۔ وہ عربی اور اردو میں مہارت رکھتے ہیں اور دونوں زبانوں میں تحریر و خطابت کی صورت میں اپنے نقطہ نظر کا آسانی سے اظہار کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر بہت بڑا احسان ہے وہ قرآن کا درس بھی دیتے ہیں، جمعہ بھی پڑھاتے ہیں اور اپنے مرحوم والد کی طرح لوگوں سے میل جول بھی رکھتے ہیں۔

۴۔ **حافظ احمد حقیق**: یہ حافظ عبدالغفورؒ کے چوتھے فرزند دلبند ہیں۔ جامعہ اسلامیہ گوجرانوالا میں تعلیم پائی اور وہیں سے سند فراغت لی۔ عصری تعلیم بی اے (پنجاب یونیورسٹی) تک حاصل کی۔ جامعہ علوم اُثریہ میں خدمت تدریس پر مامور رہے اور حسن و خوبی کے ساتھ یہ بنیادی فریضہ سرانجام دیتے رہے ہیں۔ مگر جب سے انتظامی امور سے منسلک ہوئے ہیں تدریسی امور سے آہستہ آہستہ سبکدوش ہو گئے ہیں اور اب وہ مدیر الجامعہ ہیں۔ ان کی اہلیہ جو کہ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی ہیں جامعہ اُثریہ للبنات کی مدیرہ کے فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔

۵۔ **حافظ عبدالرؤف**: یہ ان کے سب سے چھوٹے بیٹے حافظ عبدالرؤف اُثریہ مڈل سکول فار بوائز میں بطور ٹیچر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ مسجد میں مقامی بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ ان کی اہلیہ درس نظامی کی سند یافتہ ہیں اور وہ جامعہ اُثریہ للبنات میں معلّمہ ہیں۔

۶۔ حافظ عبدالغفورؒ کی ایک ہی بیٹی ہیں۔ جو درس نظامی کی تکمیل کر چکی ہیں اور اپنے گھر میں بچیوں کی تعلیم و تربیت اور مستورات کیلئے وعظ و تبلیغ کی مجالس قائم کرتی ہیں اور اوران کی بیٹیاں تدریسی خدمت سرانجام دیتی ہیں۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ حافظ عبدالغفور جہلمیؒ اور مولانا محمد مدنیؒ کی مغفرت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو کتاب و سنت کی خدمت کے زیادہ سے زیادہ مواقع عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔